© rasailojaraid.com

علم اور اہلِ علم کے آداب

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

الحمدللّٰہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، أمابعد!

مثل مشہور ہے، ''باادب بانصیب'' امر واقع بھی یہی ہے، باادب محروم نہیں ہوتا، اس کے لیے عنایات ونعمتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، وہ زندگی کے جس شعبہ اور علم وفن کے جس میدان میں قدم رکھتا ہے، فتح مندیوں اور کامرانیوں کے راستے اس کے لیے ہموار ہو جاتے ہیں۔

ادب ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جہاں ادب وآداب کے تقاضوں کی رعایت ایک مسلّمہ اصول اور اخلاقی ضابطہ کی حیثیت نہ رکھتی ہو۔ اسلامی علوم میں کامیابی وکامرانی کی بنیاد ہی ادب کے قرینوں کی رعایت رکھنے پر استوار ہے۔ چونکہ زیرِ نظر مضمون میں ہمارا موضوع خاص علم، آلاتِ علم اور اہل علم کے ادب وآداب سے متعلق ہے، اس لیے ان سطور میں ادب کے اُسی پہلو پر گفتگو ہوگی۔

ہمارے اکابرین فضائل ومکارم علم وفضل کا ایک عجیب پیکر تھے۔ انھوں نے حقائق کتاب وسنت جس دل پذیر انداز میں پیش کیے اس کی کوئی مثال نہیں۔ علم وفضل کے ہر شعبہ میں انہیں یگانہ حیثیت حاصل تھی اور یہ امتیاز ان کی عملی زندگی میں بھی قابلِ رشک حد تک برقرار رہا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے محیر العقول ذہنی صلاحیتوں سے نوازا تھا، لیکن انہیں جو مقامِ بلند ملا، وہ ان کے ذاتی جواہر اور محض استعدادِ عمل کا نتیجہ نہ تھا، اس کا بنیادی سبب ادب واحترام کا وہ بے پناہ جذبہ تھا، جو ان کی زندگیوں میں نمایاں تھا، وہ اپنے اساتذہ کے سامنے ادب واحترام کا پیکر بن جاتے تھے، کتاب، درس گاہ اور علم کے تمام ذرائع وآلات کے ادب کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی میں برکت ودیعت فرمائی، ان کے علم وفن کو ایسی گیرائی اور گہرائی بخشی، انہیں علم وعرفان اور حکمت ودانائی کا ایسا شاداب چشمہ بنایا، جس سے پھیلنے والے سوتے آج بھی ایک عالم کو سیراب کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اساتذہ کا کتنا احترام کرتے تھے، کتاب، درس گاہ، آلات علم کا کس قدر ادب کرتے تھے، یہاں ان قدسی الصفات ہستیوں کی زندگی کے اس قابل ذکر پہلو کے کچھ واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ دار العلوم دیوبند کے نمایاں اور ممتاز طالب علم تھے۔ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ مسندِ حدیث پر براجمان تھے۔ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے فضل وکمال کا غلغلہ زیادہ بلند تھا، اس لیے ان کے حلقہ تلمذ میں طلباء کرام بکثرت شرکت کرتے تھے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیوبند میں فنون کی تکمیل کے بعد دورہ کے سال طلباء کی ایک بڑی تعداد مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ کا درس چھوڑ کر گنگوہ چلے جاتی۔ گنگوہ میں باقی درجات کو چھوڑ کر صرف دورہ حدیث کی کتابیں زیرِ درس رہتی تھیں۔ ہمارے دورہ حدیث کے سال طلباء نے گنگوہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ سے حدیث پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ مجھے بھی ساتھ لیجانے پر مصر تھے۔ میں نے کہا یہاں دارالعلوم میں دورۂ حدیث کی سہولت موجود ہے، یہاں کے اساتذہ اور مدرسہ کو چھوڑ کر گنگوہ جانے کو بے وفائی اور خلافِ ادب سمجھتا ہوں۔ یہ روش اساتذہ اور مدرسہ دونوں کے ادب کے خلاف ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے انکار کیا اور حدیث مولانا محمد یعقوب ہی سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ اللہ کا فضل واحسان ہے جس نے مجھے اپنے معاصرین میں علم حدیث کے حوالہ سے ان سے زیادہ امتیازی شان عطا فرمائی، یہ اساتذہ اور مدرسہ کے ادب کا نتیجہ تھا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے ساتھ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی عقیدت اور شیفتگی کا کیا عالم تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عالم دین نے حیرت واستعجاب کا اظہار کرتے ہوئے کہا، آپ کی تصنیفات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے، جو ہر فن کو محیط ہے۔ آپ تو اپنے دماغ میں کتب خانے اتار چکے ہوں گے؟ حضرت حکیم الامت نے فرمایا، میرے مطالعہ میں صرف تین کتابیں آئیں، انہیں کی برکت ہے۔ ان تین کتابوں کے یہ نام بتائے: حاجی امداد اللہؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہی۔ کسی نے کہا حضرت، آپ کی تصانیف لگ بھگ ایک ہزار ہیں، آپ نے تو ہزار ہا کتابیں مطالعہ کی ہونگی!! فرمایا، صرف درس نظامی کی کتابیں پڑھیں، البتہ بوقت ضرورت دیگر کتب کی طرف بھی مراجعت رہی، وہ بھی اس حد تک کہ جس مسئلہ کی تحقیق مقصود ہوتی، اسی سے تعرض کرتا۔ پھر ایک عجیب بات ارشاد فرمائی کہ علم برائے علم کبھی مقصود نہیں رہا، اگر اس مقصد کے زیرِ اثر مطالعہ کیا بھی، تو حافظہ میں اس کے لیے جگہ نہ نکلی، اس لیے ایسے مطالعہ کا التزام ہی نہ کیا، عمل کے لیے جس قدر علم کی ضرورت تھی، وہ اساتذہ کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا، اسی پر قانع اور مطمئن ہوں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے لیے، اللہ تعالیٰ نے علوم ومعارف کے دروازے کھول دیئے تھے۔ اس کی بنیادی وجہ کیا تھی؟ مولانا محمد یعقوب نانوتوی سے کسی نے دریافت کیا تو فرمایا، انہیں اللہ نے معتدل الخلق اور معتدل المزاج پیدا کیا تھا۔ ان کی ذہنی صلاحیتوں اور تمام قوائے علمی وروحانی میں اعتدال اور توازن کی شان تھی، اعتدال کے ساتھ اللہ فہم، سلیم ومستقیم عطا فرماتے ہیں، یہ ان کی پیدائشی خصوصیت تھی۔ ان کی تحقیقات دقیق،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وغامض، اندازِ بیان منفرد، نکتہ رسی اور دقیقہ شناسی حیرت انگیز تھی۔ جب تک علم میں رسوخ کامل اور استعداد میں پختگی نہ ہو، ان کی تصنیفات سے استفادہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ انہیں حاجی امداداللہ مہاجر مکی جیسے شیخ کامل کی صحبت حاصل تھی، جن سے انھوں نے استفادہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اساتذہ بھی ایسے ہی کامل عطا کیے تھے، جو علم وعرفان اور روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، ان کے فیض صحبت سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ پھر فرمایا، نانوتویؒ اعلیٰ درجے کے متقی اور برگزیدہ تو تھے ہی لیکن اپنے شیوخ واساتذہ کا ادب واحترام ان کی نمایاں خصوصیت تھی، انھی صفات کی بنا پر اللہ نے ان پر اپنے علوم ومعارف کے دروازے کھول دیئے۔

ایک مرتبہ تھانہ بھون کا ایک جمعدار دیوبند آیا۔ جمعدار کی معاشرتی حیثیت کیا ہوتی ہے، اس وضاحت کی ضرورت نہیں، لیکن مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اس جمعدار کی اس قدر خاطر مدارات اور تکریم وتعظیم کی کہ دیکھنے والے ششدر رہ گئے، مولاناؒ کے مقام بلند اور ان سے عقیدت وارادت کی وجہ سے بعض طلبا کو ان کا یہ طرزِ عمل ناگوار گذرا، ان سے رہا نہ گیا تو دریافت ہی کرلیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟!! فرمایا تمہیں کیا خبر، یہ تھان بھون کا رہنے والا ہے اور تھانہ بھون میرے شیخ حاجی امداداللہ کا وطن ہے۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے اکابرین اپنے شیوخ واساتذہ کے لیے عقیدت وارادت اور ادب واحترام کا کس قدر والہانہ جذبہ رکھتے تھے۔ اب ادب شناسی کا یہ مزاج باقی نہ رہا۔ مشائخ کا احترام نہیں کیا جاتا۔ اساتذہ کے سامنے باادب ہوکر پیش نہیں ہوتے، اس لیے علم وعمل میں برکت نہ رہی۔ ہمارے مشائخ اور اسلاف تو اس قدر ادب شناس تھے کہ اپنے شیوخ واساتذہ کے ہم وطن لوگوں کے ادب کا بھی اہتمام کرتے تھے۔

اپنے اساتذہ کے ادب واحترام کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے اس نوعیت کے واقعات مختلف مواقع پر سننے اور دیکھنے میں آتے ہیں۔ لیکن ایسے عملی مظاہر بہت کم نظر آتے ہیں، طلباء صرف ان اساتذہ کا ادب واحترام کرتے ہیں، جنھیں شہرت حاصل ہو یا ان کا کوئی مفاد وابستہ ہو۔ اب قابلیت ولیاقت اور تقویٰ وللّٰہیت کا معیار شہرت ٹھہرا۔ وہ اساتذہ جو ظاہری کروفر اور شان وشوکت سے دور ہیں، انہیں نظر انداز کردیا جاتا ہے وہ ادب کے لائق نہیں ٹھہرتے۔ یہ تقسیم علم کے لیے مہلک ہے، چھوٹے بڑے، مشہور اور گمنام تمام اساتذہ واجب التعظیم ہیں، اساتذہ کا ادب استاذ ہونے کی حیثیت سے لازم ہے اگرچہ کسی نے ان سے قاعدہ پڑھا ہو۔

اساتذہ کی طرح اپنی درس گاہ کا احترام بھی ضروری ہے۔ کسی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ جو درس گاہ کی شان کے خلاف ہو۔ درس گاہ کا احترام یہ ہے کہ آپ اس میں فضول گوئی سے اجتناب کریں، اس کی صفائی اور ترتیب کو باقاعدہ معمول بنائیں۔ استاذ کی نشست پر بیٹھنا چونکہ خلاف ادب ہے، اس لیے اس کا بھی احترام کیا جائے۔ کتابوں کو ترتیب سے رکھیں، درس گاہ میں موجود کتابوں کا احترام کریں۔ بعض طلباء کتابیں زمین پر بکھیر دیتے ہیں یا

© rasailojaraid.com

اکھڑا پڑا بچھا کر اس پر کتابیں بچھا دیتے ہیں، حالانکہ یہ زمین ہی کے حکم میں ہے۔ اس پر حدیث یا فقہ کی کتابیں رکھ کر پڑھنا سخت بے ادبی ہے۔ حدیث یا فقہ کی کتابیں اونچی جگہ رکھ کر پڑھی جائیں۔ کتاب کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھنا بھی خلاف ادب ہے۔ اس سے احتراز کیا جائے۔

ہمارے استاذ محترم مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ جس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے مدرس تھے، ہدایہ اولین اور میبذی ان کے زیرِ درس تھیں۔ یہ دونوں کتابیں ان کے مطالعہ گاہ میں تپائی پر رکھی ہوتی تھیں۔ وہاں ایک چوہیا میبذی پر مینگیاں کرتی تھی، لیکن ہدایہ پر کبھی نہیں کی۔ مولانا فرماتے، چوہیا کو بھی یہ شعور تھا، میبذی علوم آلیہ کی کتاب ہے اور ہدایہ علوم عالیہ کی، آلیہ غیر مقصود اور آلیہ مقصودی چیز ہے، اس ضمن میں مولانا نے فرمایا کہ علوم عالیہ قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر ہیں۔ منطق، فلسفہ، صرف ونحو وغیرہ علوم آلیہ ہیں۔ ہمارے متقدمین نے فن تفسیر و حدیث میں تصنیفات وتالیفات کا جو بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے، ان میں مشکل اصطلاحات بکثرت موجود ہیں، علوم آلیہ انہی اصطلاحات پر عبور حاصل کرنے کے لیے ضرورت کی حد تک پڑھائی جاتی ہیں، مقصود وہی ہے جس کو علوم عالیہ کہا جاتا ہے۔ جس طرح نماز کے لیے وضو ایک آلہ ہے، اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی، اسی طرح علوم عالیہ کی معرفت علوم آلیہ پر موقوف ہے، علوم آلیہ مقاصد کے لیے تمہید ہیں اس لیے انہیں بھی مقاصد کے درجہ میں رکھا گیا۔ لیکن اس کے باوجود علوم عالیہ و آلیہ میں فرق مراتب کی رعایت رکھنی چاہیے۔ علوم عالیہ کی کتابوں کو علوم آلیہ کے اوپر رکھا جائے، مثلاً قرآن، حدیث یا فقہ کی کتابوں پر منطق یا صرف ونحو کی کتابیں نہ رکھی جائیں۔ بعض طلباء اس ادب کی رعایت سے غافل رہ کر تفسیر وحدیث کی کتابوں پر منطق یا صرف نحو کی کتاب رکھ دیتے ہیں۔ یہ خلاف ادب ہے، ہر کتاب اور مضمون کا اپنا مقام ہے، اس کے مقام و مرتبہ کی رعایت ضروری ہے۔

اسی طرح مدارس کی طرف سے جو کتابیں طلبہ کو دی جاتی ہیں، وہ امانت ہوتی ہیں، ان پر حواشی چڑھانا، یا ان کی جلدیں خراب کرنا یہ خیانت ہے اور شرعاً اس کا جواز نہیں، ایسے طلبہ جو ان امور کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، ان کے علم میں برکت نہیں ہوتی، حاصل یہ کہ علم کے لیے ادب بہت ضروری ہے، اساتذہ کا ادب، کتابوں کا ادب، درس گاہ کا ادب، آلات علم کا ادب، علم اگر آداب کی رعایت رکھ کر حاصل کیا جائے، تو ایسا علم، علم نافع ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسے طالب علم کے علم کا فیض پھیلانے کے لیے اسباب مہیا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں باادب بانصیب بنائے آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین

☆☆☆

© rasailojaraid.com